OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

Al-Nasr Volume 3, Issue 1 (January-March 2024)

مسلم عائلی زندگی: تہوار اور سماجی اثرات کا تجزیاتی جائزہ

Muslim Family Life: An Analytical Review of Festivals and Social Effects

Qaria Nasreen Akhtar

Assistant Prof. Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan

Abstract

The main focus of human instinct is one's own family, from which one finds physical, mental, moral, intellectual and spiritual peace. According to art experts, the first unit of family life is husband and wife and then their children also become a part of this system. The joint family system is also a form of family life in Pakistan. Man by nature prefers to live together instead of being isolated, so naturally he cannot be confined to his family, but by marriage and kinship he connects with many other families, when many families of different regions and languages. Inevitably, along with Islamic festivals, cultural and national festivals such as Eid, Shab-e-Barat, Mangani, Mahindi, Rakshati, Aqeeqah and many other festivals of happiness and sorrow become part of the society which has positive and negative effects. Individually and collectively affect the personality of every human being, especially the competition in appearance and display to maintain family dignity not only increases the financial burden on family heads / parents but also causes diseases like jealousy and resentment due to these festivals which in the light of the Qur'an and Sunnah, the remedy is inevitable.

Keywords: Family Life, Joint Family System, Festivals, Social Effects

CC BY

تمہید

معاشرے میں رہن سہن کے لیے انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اسی لیے انسانوں کے ساتھ رہنے کا نظام بنایا گیا جو صدیوں سے رائج ہے۔ اس نظام کے تحت انسان کسی معاشرے میں رہنے کے لیے اپنا گھر بناتا ہے اور پھر اس کا منتظم بن کر اس کے نظام کو احسن طریقے سے چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی نظام کو عائلی نظام کہا جاتا ہے۔ اس میں کسی بھی انسان کے خونی اور قریبی رشتے دار شامل ہوتے ہیں۔ بیشک خاندان معاشرے اور سماج کی بنیادی اکائی ہے۔ خاندان درج ذیل افراد سے تشکیل پاتا ہے: شوہر، بیوی، اولاد، والدین اور دیگر رشتے دار وغیرہ۔ اسلام خاندان کا وسیع ترین تصور رکھتا ہے۔ ایک مسلم خاندان میں صرف میاں، بیوی اور بچے ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچی، پھوپھیاں، ماموں، خالہ وغیرہ بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسلام ایسے خاندان کا ایک تصور پیش کرتا ہے جو حقوق و فرائض اور خلوص و محبت، ایثار و قربانی کے اعلیٰ ترین قلبی احساسات اور جذبات کی مضبوط ڈوریوں سے بندھا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: [یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً][1] "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان دار سے پیدا کیا اور اس جان دار سے تمہارا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔" اسی طرح سورہ الحجرات میں بھی ارشاد ہے: [یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ][2]۔ "لوگو، ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ در حقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے"۔ اسلامی نقطۂ نظر سے خاندان کے مقاصد بہت بلند اور اہم ہیں، اس لیے رسول اکرم ﷺ نے اسے نصف دین قرار دیا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے: {حَدَّثَنَا عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ " وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ بَعْلِهَا وَوَلَدِهِ وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَالْعَبْدُ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ}[3] "عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "آدمی اپنے گھر والوں کا نگہبان ہے اور اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا اور عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے اولاد کی نگہبان ہے اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا غلام اپنے آقا و مالک کے مال کا نگہبان ہے اور اس سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا، تو) سمجھ لو (تم میں سے ہر ایک راعی) نگہبان (ہے اور ہر ایک سے اس کی رعایا کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی"۔

اسلام کے نزدیک معاشرے کا بنیادی ادارہ خاندان ہے جس کی بہتری، بھلائی اور ابتری اور بربادی پر معاشرے کی حالت کا انحصار ہوتا ہے۔ اسلام نے خاندان کی طرف خصوصی توجہ دی ہے تاکہ اس ادارے کو مضبوط بنایا جائے اور ایک مضبوط، صالح اور فلاحی معاشرے کا قیام وجود میں آئے جو انفرادی و اجتماعی حقوق و فرائض کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرے۔ اسلام خاندان کی بنیاد پاکیزہ اور مستحکم رکھنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلام فرد کو اہمیت دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ خاندان اور خاندانوں کے باہمی اشتراک سے پیدا ہونے والے قبیلے اور برادری سے تشکیل پانے والی اقوام یا امت کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ معاشرے کے ہر دائرے کے حقوق کا تحفظ اور فرائض کا تعین کرتا ہے، یوں اسلامی معاشرے میں ہر اکائی کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہوتی ہے۔

مسلم عائلی زندگی

مسلم عائلی زندگی دو مختلف افراد کے درمیان ہونے والے معاہدہ شادی کی بنا پر وجود میں آتی ہے۔ انسانی طبائع اور مزاج مختلف رنگ رکھتے ہیں کچھ نرم و نازک اور حساس و بے حس طبعیت کے مالک ہوتے ہیں۔ مختلف ماحول اور گرد و پیش بھی انسانی رویوں پر

اثر انداز ہوتے ہیں۔ جب مختلف احوال اور مزاج رکھنے والے افراد اس عقد میں بندھتے ہیں تو اختلاف اور ٹکراؤ کا قوی امکان ہوتا ہے بعض اوقات دونوں افراد اپنی اپنی جگہ پر بہترین افراد ہوتے ہیں لیکن باہم اس بندھن کو نباہ نہیں پاتے۔ قریبی دیگر افراد کے رویوں سے بھی عائلی زندگی میں دراڑ پڑنے کا امکان ہوتا ہے۔ اسلام عائلی نظام کو اجتماعی و معاشرتی طور پر ہر حال میں آسودہ، مطمئن اور مضبوط دیکھنا چاہتا ہے اس لئے اس میں اصلاح کے لیے خوبصورت اصول دیے ہیں۔ ان جھگڑوں، تنازعات اور اختلافات کو چکانے کے دو طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں۔ (۱) اخلاقی حل، (۲) قانونی حل

اخلاقی حل

شادی کا مقصد مرد اور عورت دونوں کی فلاح اور بہبود ہے اس کا مقصود یہ ہے کہ گھر میں محبت اور سکون ہو تاکہ قانون کا سہارا لئے بغیر میاں بیوی، دونوں زیادہ سے زیادہ مادی اور روحانی فوائد سے بہرہ مند ہو سکیں لیکن میاں بیوی میں جھگڑا اور اختلاف ہو تو اس کے مضر اثرات صرف ان کی اپنی ذات تک ہی محدود نہیں رہتے۔ بلکہ ان کے بچے یعنی اگلی نسل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ اگر گھریلو زندگی میں تلخی ہو تو اس کی اصلاح کون کرے؟ کیا عدالت یہ کام کر سکتی ہے؟ اس لئے معقول رویہ یہی ہے کہ خاندانی زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات کو عدالت میں نہ لے جایا جائے عدالت کو صرف اہم اور بڑے بڑے امور میں مداخلت کرنی چاہیے اور وہ بھی صرف اس صورت میں یہ جب کہ مصالحت کے باقی تمام ذرائع ناکام ہو گئے ہوں۔ امت مسلمہ کو اپنے سب مسائل کی طرح عائلی مسائل کو بھی اپنے عقیدہ و دین کے مطابق حل کرنا چاہیے۔ عبد الرحمن الصابونی لکھتے ہیں: ان نظام الاسرة فی کل امة من الامم یجب ان ینبع من عقائدها وتقالید ها وعاداتها لانه مرتبط ارتبا طاوثیقا بالدین والحضارة والتاریخ فلایجوزان تسورد نظام اسرة من امة اخری تختلف عنها فی العقیدة والاعمال والاهداف۔[4] "قوموں کی ہر قوم میں خاندانی نظام اپنے عقائد، روایات اور رسم و رواج سے نکلنا چاہیے، کیونکہ اس کا مذہب، تہذیب اور تاریخ سے گہرا تعلق ہے"۔ اسلام نے (۱) عائلی معاملات کو تقوی کے ساتھ وابستہ کیا۔ (۲) نکاح کے بارے میں فرمایا: [ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ][5]، (۳) خطبہ نکاح میں شامل چار آیات میں چار مرتبہ تقویٰ کی تلقین کی اور خلع و طلاق کے احکام کو حدود اللہ قرار دیا۔ (۴) وراثت کی تقسیم کو [فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ][6] قرار دیا۔ (۵) عائلی زندگی کو فریقین کی رضامندی کے ساتھ وابستہ کیا تاکہ وہ خوش دلی، مہر و محبت اور رحم و کرم کا معاملہ باہم کر سکیں کیونکہ جبراً باندھے جانے والے رشتوں میں انسانی جسم تو اطاعت پر مجبور کیا جاسکتا ہے دل و دماغ کی دنیا جبری فیصلوں سے بغاوت کر دیا کرتی ہے۔ (۶) باہم حقوق و فرائض کی تقسیم کر دی ان فرائض کے ادا کرنے کو نیکی اور اللہ کی خوشنودی کا باعث قرار دیا۔ (۷) زوجین کو باہم حسن و سلوک عفو و درگزر کی تاکید قرآن و سنت میں بار بار کی۔ ناپسندیدہ امور کے باوجود [وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ][7] کا حکم دیا تاکہ اس طرح اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا ہو اور خاندان سلامت رہے۔ اس سے ازدواجی زندگی برقرار رہتی ہے اور وہ خاوند بیوی حقیقی سعادت مند ہوتے ہیں جو صبر و تحمل اور عفو درگزر کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں کیونکہ ازدواجی زندگی میں کئی کٹھن مراحل آتے ہیں جن کا صبر سے مقابلہ کر کے خاندان کو بچایا جاتا ہے۔

قانونی حل

ازدواجی زندگی بنیادی طور پر ایک شخصی رشتہ ہے، جو دو افراد کے درمیان شخصی، نفسیاتی، ذہنی اور جسمانی ہم آہنگی پر مشتمل ہے۔ قانون کے ذریعے ان میں سے کوئی بھی چیز وجود میں نہیں لائی جاسکتی تاہم اگر کسی کی ازدواجی زندگی انتہائی کڑوی اور ناقابل برداشت ہو تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ایسے نازک مسئلے کو سلجھانے کی تدبیر کیے بغیر کوئی انسانی نظام جامعیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس نظام کی تشکیل، تنظیم اور خدانخواستہ تفریق کی صورت میں وضاحت کے ساتھ حدود و قوانین کو قرآن و سنت میں

سب سے زیادہ وضاحت سے ان احکام کو بیان کیا گیا۔ ان قوانین اور حدود کی پابندیوں کی اخلاقی ترغیبات دینے کے ساتھ ساتھ قضائے شرعی کا راستہ بند نہیں کیا گیا۔ ان قوانین میں اس بات کا بھرپور تحفظ کیا گیا کہ معاہدہ نکاح کرنے والے فریقین میں سے کسی کی حق تلفی ہو اور نہ کسی پر ضرر اور تعدی ہو۔ جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: {"عن ابن عباس ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:" لا ضرر ولا ضرار"}[8] عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں نہ ابتداءً نہ مقابلۃً"۔ ازدواج کے حقوق کو قانونی تحفظ عطا کیا گیا مثلاً ہندہ بنت عتبہ کا نفقہ نہ ملنے کی شکایت کرنا اور ثابت بن قیس کی بیوی کا خلع کا مطالبہ کرنا اس کے واضح ثبوت ہیں۔

اسلامی عائلی قوانین کی فوقیت وانفرادیت

اسلام کے دیگر قوانین کی طرح عائلی قوانین بھی اپنی انفرادی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ انفرادیت وخصوصیات درج ذیل ہیں۔ ا۔ فطری جذبات کی تسکین، ۲۔ حسن معاشرت کی تعلیم، ۳۔ قرابت اور صلہ رحمی، ۴۔ نوعِ انسانی کی بقاء کی ضمانت، ۵۔ عدل وانصاف کا قیام، ۶۔ جود وسخا اور احسان، ۷۔ بدکاری اور بے حیائی کا قلع قمع، ۸۔ حفاظت عزت وآبرو، ۹۔ ظلم وستم، حق تلفی اور جاہلانہ رسوم کا خاتمہ وغیرہ۔[9]

اسلام کا عائلی نظام اور غیر مسلم معاشرے کے اس پر اثرات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے وہ اپنی زندگی بسر کرنے کے لیے سماجی تعلقات کے محتاج ہے انسان اپنے وجود، پرورش، تعلیم، صحت غرضیکہ زندگی کے تمام معاملات میں قدم بقدم دم مرگ تک جہاں اپنے خالق کائنات کی خاص عنایتوں کے مرہون منت ہے وہاں انسان سماجی روابط کے لیے دوسروں کا محتاج ہوتا ہے وہ ادارہ "خاندان" کہلاتا ہے۔ یہی وہ ادارہ ہوتا ہے جو انسان کی جسمانی، روحانی، اخلاقی اور فکری پرورش کی بنیاد رکھتا ہے اس ادارے میں رہن سہن کے طور طریقوں کو عائلی نظام زندگی کہا جاتا ہے۔ عائلی زندگی ہی انسانی شخصیت کی پہلی اینٹ رکھتی ہے، عائلی زندگی کی بنیادی اکائی کی حیثیت میاں بیوی کو حاصل ہے، انہی کے ازدواجی تعلقات سے اس زندگی کی ابتداء ہوتی ہے۔ اسلام کے عائلی نظام کو ہم 'مسلم پرسنل لا' بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں نکاح، طلاق، خلع، نان ونفقہ، وراثت، وصیت، رضاعت اور حضانت وغیرہ اور اس طرح کے کئی مسائل اس کے اندر آتے ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان معاشرہ عائلی زندگی کے حوالے سے جن مسائل اور الجھنوں سے دوچار ہے، ان کا واحد اور آسان حل اسوہ رسول ﷺ کی پیروی ہے جو شرعی اعتبار سے واجب بھی ہے۔ عائلی زندگی میں اس مثالی نمونہ کو سامنے رکھ کر آج بھی ان تمام گھروں کو امن وسکون، مہر وفا اور خیر وبرکت کا گہوارہ بنایا جاسکتا ہے۔ اسی تہذیب کے لین دین، عرصہ دراز تک غیر مسلموں کے درمیان رہن سہن، مسلمانوں کی مغلوبیت اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کی دین میں عدم پختگی نے اسلام کے عائلی نظام کو بھی خوب متاثر کیا اور ہندووانہ رسمیں شامل ہوگئیں۔ ذیل میں کچھ بے جا عائلی رسم ورواج کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو مسلمانوں میں غیر مسلم معاشرے کیساتھ غیر شعوری رفاقت سے اسلامی تہذیب میں شامل ہوگئی ہیں۔

مشترکہ خاندانی نظام

مشترکہ خاندانی نظام ایک ایسا نظام ہے جو برصغیر کے گھرانوں میں صدیوں سے رائج ہے۔ پاک وہند کے لوگ فخریہ طور پر اس نظام کو نہ صرف اپناتے ہیں۔ بلکہ مغربی طرز معاشرت کے سامنے اپنے مضبوط خاندانی نظام کی مثالیں پیش کر کے مغربی بے راہ روی کا بنیادی سبب اسی خاندانی نظام کے نہ ہونے کو گردانتے ہیں۔ مشترکہ خاندانی نظام کی تاریخ کوئی بہت پرانی نہیں ہے۔ اسلامی طرز معاشرت میں اس کی نشانیاں ہمیں کہیں بھی قرآن وسنت سے نظر نہیں آتی ہیں۔ اگر ہم اپنے پیارے نبی ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو نظر آتا ہے کہ اپنی بیٹی بی بی فاطمہؓ کی شادی کے موقع پر بھی انہوں نے ان کو ایک علیحدہ گھر دینے کا

مطالبہ کیا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ہمارے نبی ﷺ نے اپنی ہر زوجہ کو علیحدہ رکھا۔ قرآن وحدیث کے دلائل ہمارے مشترکہ خاندانی نظام کے خلاف ہیں۔ پردے سے متعلق سارے نصوص اس پہ دلالت کرتے ہیں کہ ہمارا گھریلو نظام الگ الگ ہو، تاکہ جہاں خواتین کی عفت وعصمت محفوظ رہے وہیں گھر میں اخوت سے لیکر عدل وانصاف تک کی میزان قائم رہے۔ اللہ کا فرمان ہے:[وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى][10]"اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو، اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو"۔ اس آیت میں عورت کو اپنے گھر یعنی شوہر کے گھر کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ: {إياكم والدخولَ على النساءِ . فقال رجلٌ من الأنصارِ : يا رسولَ اللهِ ! أفرأيتَ الحموَ ؟ قال : الحموُ الموتُ}[11]"اجنبی عورتوں کے پاس جانے سے بچو، ایک انصاری نے عرض کیا: یارسول اللہ حمو (دیور) کے بارے میں آپ ﷺ کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حمو (دیور) تو موت ہے"۔ مشترکہ خاندانی نظام میں کسی عورت کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے دیور یا سسر سے پردہ کر سکے۔ دوسرا پہلو جو اس امر میں سب سے زیادہ نقصان دہ ہے اور اس کا خمیازہ نسلوں تک بھگتنا پڑتا ہے، وہ ہے بچوں کی تربیت۔ مشترکہ خاندان کے کچھ فوائد بھی ہیں جس کی وجہ سے کچھ لوگوں نے اس نظام کی پرزور وکالت کی ہے مگر اس کے نقصانات فوائد پہ غالب ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا مشترکہ خاندان کے جو نقصانات ہیں ان سے مشترکہ خاندانی نظام ہوتے بھی بچا جا سکتا ہے مگر مقالہ نگار کی رائے کہنا ہے کہ مشترکہ خاندان کے ساتھ کماحقہ اس کے نقصانات سے تو بچنا دشوار کن ہے تاہم منفرد رہ کر سارے لوگوں کے حقوق کی بحالی کماحقہ ممکن ہے گر آدمی پابند شرع ہو۔

شادی کی رسوم ورواج

رسول اللہ ﷺ کا شادی کا طریقہ نہایت سادہ اور آسان تھا، یعنی مسجد میں نکاح اور ولیمہ شادی سے کرنا۔ سب سے پہلا معیار رشتہ تلاش کرنے میں دینداری ہونی چاہیے، ذات پات کی اسلام میں کوئی قید نہیں، ذات پات کی وجہ سے صرف اپنی ہی ذات میں رشتہ کا تصور ہندوؤں سے مسلمانوں میں آیا ہے۔ اسلام نے نکاح کو کس قدر آسان بنایا ہے اس سلسلے میں صحیح بخاری "کتاب النکاح" کی ایک روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ "عبدالرحمن بن عوفؓ (ہجرت کر کے مدینہ) آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے اور سعد بن ربیع انصاریؓ کے درمیان بھائی چارہ کرایا۔ سعد انصاریؓ کے نکاح میں دو بیویاں تھیں۔ انہوں نے عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ وہ ان کے اہل (بیوی) اور مال میں سے آدھے لیں۔ اس پر عبدالرحمنؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور آپ کے مال میں برکت دے، مجھے تو بازار کا راستہ بتادو۔ چنانچہ آپ بازار آئے اور یہاں آپ نے کچھ پنیر اور کچھ گھی کی تجارت کی اور نفع کمایا۔ چند دنوں کے بعد ان پر زعفران کی زردی لگی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ عبدالرحمٰنؓ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک انصاری خاتون سے شادی کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ انہیں مہر میں کیا دیا عرض کیا کہ ایک گٹھلی برابر سونا دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی کا ہو"۔[12]

نکاح

عائلی زندگی کا آغاز رشتۂ نکاح سے ہوتا ہے۔ قرآن نے مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق کی واحد صورت نکاح کو قرار دیا ہے۔ وہ ازدواجی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی نشانی قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:[وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً][13]"اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارا جوڑا تم ہی میں سے پیدا کیا ہے تاکہ تمہیں اس سے سکون حاصل ہو اور پھر تمہارے درمیان محبت اور رحمت قرار دی ہے"۔ خاندان کا نمایاں جزو دراصل مرد اور عورت کا تعلق ہے۔ اسی تعلق سے خاندان کی نشوونما ہوتی ہے اور اس سے استحکام پیدا

ہوتا ہے۔ یہ تعلق فرد کی انفرادی حاجت کی تسکین بھی ہے اور اجتماعی فلاح کا ذریعہ بھی۔ حدیث پاک میں بھی نکاح کی تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:{النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي فليس مني}[14] "نکاح میری سنت میں سے ہے، پس جو میری سنت پر عمل نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں ہے"۔

حق مہر

جس طرح قرآن نے مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق کی واحد صورت نکاح کو قرار دیا ہے۔ نکاح کے بعد شوہر پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ بیوی کو مہر دے۔ شریعت نے مہر کی کوئی مقدار نہیں متعین کی ہے اور اسے زوجین کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے، لیکن شوہر کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ مہر خوش دلی سے ادا کرے اور بیوی کو اس کا مالک بنادے۔ ہاں، بیوی اگر اپنی مرضی سے مہر نہ لے، یا اس کا کچھ حصہ معاف کر دے تو اس کی اجازت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ [وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا][15] "عورتوں کو ان کا مہر عطا کر دو پھر اگر وہ خوشی خوشی تمہیں دینا چاہیں تو شوق سے کھالو"۔ شرح المواہب اللدنیہ میں ہے: "حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ کیا آپ ﷺ فاطمہؓ کا رشتہ مجھ سے پسند فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس (مہر کے لیے) کچھ (مال) ہے؟ میں نے عرض کیا: میرا گھوڑا ہے یا زرہ۔ فرمایا: گھوڑے کی تو بہر حال تمہیں ضرورت رہے گی۔ رہی زرہ تو اسے فروخت کر دو۔ چنانچہ میں نے وہ زرہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں فروخت کر دی۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے وہ زرہ بھی واپس کر دی۔ حضرت علیؓ وہ زرہ اور رقم لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے۔ حضور ﷺ نے عثمانؓ کے حق میں دعائے خیر فرمائی جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔ پھر میں (علیؓ) رقم لے کر آیا اور حضور ﷺ کی گود میں رکھ دی۔ حضور ﷺ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر حضرت بلالؓ سے فرمایا: اس رقم کی خوشبو خرید کر ہمارے پاس لاؤ۔ ابن حشیمہؒ نے حضرت علیؓ کی زبانی جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: ان چار سو اسی درہم کی تہائی خوشبو میں صرف کی جائے۔۔۔ پھر حضور ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان (فاطمہؓ) کا سامان مہیا کریں چنانچہ ان کے لیے ایک بنی ہوئی چارپائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کھجور کی کھال بھری تھی تیار کیے گئے"۔[16]

جہیز

جہیز کا مطلب گھریلو ساز و سامان اور استعمال کی چیزیں ہیں۔ اور گھر میں استعمال ہونے والے تمام ساز و سامان نیز بیوی کی جملہ جائز ضروریات اور اخراجات کا ذمہ دار شرعاً خاوند ہے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم میں ارشاد ہے: [لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ][17]۔ "وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے"۔ عصر حاضر میں سماج نے جہیز دینا لڑکی والوں پر فرض بنالیا ہے۔ آج کل عائلی زندگی کے حوالے سے مسلمان معاشرے میں بچوں کی شادی کے سلسلے میں جہاں متعدد فضول قسم کی رسوم پر اٹھنے والے اخراجات نے متوسط بالخصوص غریب طبقہ کے والدین کو پریشان کر رکھا ہے وہاں جہیز کے مسئلہ یا جہیز کی ہندوانہ رسم نے بھی بڑی سنگین صورت حال اختیار کر لی ہے، اس گھمبیر مسئلہ کے باعث نہ صرف یہ کہ بہت سی معاشرتی و معاشی اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں بلکہ اس نے شرعی اعتبار سے انتہائی آسان چیز نکاح یا شادی جو صرف دو گواہوں کی موجودگی میں میاں بیوی کے ایجاب و قبول سے ہو سکتی ہے، اسے انتہائی مشکل بنادیا ہے۔ جس کی وجہ سے بہت سی غریب لڑکیوں کی شادی نہیں ہو پاتی یا ان کے لیے معقول رشتے نہیں مل پاتے۔ چنانچہ روزنامہ نوائے وقت لاہور جیسے مصدقہ و مستند روزنامہ کی چند سال قبل کی ایک رپورٹ ملاحظہ ہو: "پاکستان میں جہیز کی لعنت کے باعث ایک کروڑ ساٹھ لاکھ لڑکیاں شادی کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ ان لڑکیوں میں سے 60 لاکھ ایسی ہیں جن کی شادی کی عمر گزر چکی ہے۔ اس بات کا انکشاف ایک سماجی تنظیم نے حکومت کو

اپنی روانہ کردہ رپورٹ میں کیا ہے۔ اس ضمن میں سماجی تنظیموں نے اپنی رپورٹ میں مزید لکھا ہے کہ غربت کی بنیاد پر ہر چوتھے گھر میں پانچ لڑکیاں غیر شادی شدہ بیٹھی ہیں جبکہ ہر دسویں گھر میں لڑکیوں کی تعداد دس ہے"۔[18]

شادی پر لڑکی کو والدین کا جہیز دینا کوئی شرعی حکم نہیں ہے، نہ ہی یہ لازمہ نکاح ہے اور نہ ہی سنت ہے۔ جہیز کا جملہ سامان مہیا کرنے کا ذمہ دار خاوند ہے، گھریلو سازوسامان تو الگ رہا نبی اکرم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے لیے خوشبو بھی مہر کی رقم سے منگوائی۔ یہ سب کچھ تعلیم امت کے لیے تھی۔ ورنہ آنجناب ﷺ اگر چاہتے تو احد پہاڑ کو سونا بنا کر فاطمہؓ کو جہیز میں دے دیتے۔ اس کے باوجود جب یہ رسم (والدین کا شادی کے موقع پر سامان جہیز دینا) ہمارے معاشرے میں آگئی ہے اور صرف آ ہی نہیں گئی بلکہ جڑ پکڑ چکی ہے، دوسرے یہ کہ فطری طبعی اور پدری تقاضوں کے مطابق کوئی والد نہیں چاہتا کہ وہ اپنی نور نظر، لخت جگر کو ہمیشہ کے لیے گھر سے رخصت کرتے وقت بطور نشانی ساتھ کچھ نہ دے تو اس رسم کو چند قیود کے ساتھ "الاصل فی الاشیاء الاباحة"[19] فقہی قاعدہ کے تحت مباح کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور ہمارے بعض متاخرین فقہاء نے اس کو اپنی کتابوں مثلاً فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ شامی وغیرہ میں جگہ دی ہے۔ لیکن اس کو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی پاک ذات کی طرف منسوب کرکے جو ایک مذہبی تقدس دیا جاتا اور اس مذہبی تقدس کی آڑ میں جو نمود و نمائش اور اظہار دولت کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور برتری حاصل کرنے کی جو سعی نامشکور کی جاسکتی ہے وہ بہر کیف غلط ممنوع، خلاف شرع اور خلاف قرآن و سنت ہے۔ عصر حاضر کے مشہور فقیہ محمد ابوزہرہ "متاع البیت" کے عنوان سے فقہاء حنفیہ کی رائے بتاتے ہوئے رقم طراز ہیں: "حنفی فقہاء کی رائے یہ ہے کہ حق مہر جہیز کا عوض نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ صرف عطیہ ہے جیسا کہ قرآن مجید نے اس کا نام نحلہ (عطیہ) رکھا۔ وہ خالصتاً بیوی کی ملک ہے اور خاوند پر اس کا حق ہے۔ مصادر شریعت میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی بنیاد پر گھریلو سازوسامان کی تیاری کو عورت کا حق قرار دیا جاسکے اور بغیر کسی دلیل کے کبھی کوئی حق ثابت نہیں ہوتا"۔[20] مسلمانوں میں جہیز کی رسم بھی دیگر مذاہب سے مستعار ہے۔ جس کے انتظار میں لڑکیوں کی شادی کی عمر گزر جاتی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے تمام اخراجات کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا ہے۔ وہ عورت کو مہر دے گا، شادی، ولیمہ اور رہائش کے انتظام کے اخراجات برداشت کرے گا، نیز لباس، کھانا، علاج وغیرہ ہر چیز مرد کے ذمہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: [اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ][21] "مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں"۔

سنن نسائی جلد دوم، باب جھاز البنت کے ماتحت آنے والی حدیث سے "مروجہ جہیز" کو شرعی حکم سمجھنا غلط ہے۔ مروجہ جہیز محض ایک رسم بلکہ ہندوانہ رسم اور عرف ہے اور فقہاء نے اسے رسم اور عرف کے زمرے میں ہی شمار کیا ہے۔ السید السابق لکھتے ہیں: "وقد جری العرف علی ان تقوم الزوجة واهلها باعداد الجهاز وتاثیث البیت وهو اسلوب من اسالیب ادخال السرور علی الزوجة بمناسبة زفافها"۔ "یہ ایک عرف ہے کہ بیوی اور اس کے گھر والے جہیز اور گھر کا سازوسامان تیار کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ عورت کے نئے گھر میں جانے کی مناسبت سے اس عورت کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ہے"۔ السید ایک روایت سے استدلال کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں: "وهذا مجرد عرف جری علیه الناس"[22]۔ "یہ صرف ایک عرف (رسم) ہے جو لوگوں کے اندر جاری ہے"۔ دیگر مذاہب میں عورت کو جہیز اس لیے دیا جاتا ہے کہ وہ ماں باپ کی جائیداد کی وارث نہیں ہوتی۔ اب مسلمانوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا ہے۔ ساری جائیداد بھائیوں کے نام کر دی جاتی ہے اور بہنوں کو جہیز دے کر وراثت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ معاشرے میں لوگ دیندار بہنوں اور بیٹیوں کی جائیداد کا حصہ معاف کرا لیتے ہیں۔ بہنیں اگر وراثت میں اپنا حق مانگیں تو بھائی بہنوں سے رشتہ ناطہ ختم کر لیتے ہیں، اس طرح

طعن و تشنیع کا نشانہ بنتی ہیں۔ اصل میں غیر مسلم معاشرے کے ساتھ رہنے سے ہم اپنے اسلام کی عطا کردہ عنایات کو ختم کر بیٹھے ہیں۔

طلاق

اس تعلق سے قرآن صراحت کرتا ہے کہ اگر نکاح کے بعد کسی وجہ سے نباہ ممکن نہ ہو اور شوہر طلاق کا ارادہ کرلے تو بھی اس کے لیے جائز نہیں کہ بیوی کو جو کچھ دے دیا ہو اس سے واپس لے لے۔ قرآن اسے 'اثم مبین' (کھلا گناہ) قرار دیتے ہوئے ایسا نہ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: {أبغض الحلال إلى الله تعالى الطلاق}[23] "حلال چیزوں میں اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند طلاق ہے"۔ معلوم ہوتا ہے کہ طلاق اپنی اصل کے اعتبار سے مباح ہے کیونکہ لوگوں کو تب اس کی ضرورت پڑتی ہے جب ایک ساتھ زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے تاہم اس کے نتیجے میں میاں بیوی اور اولاد کو جو مفاسد اور نقصانات لاحق ہوتے ہیں ان کی وجہ سے یہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ اور طلاق کو حلال کہنے سے اس کی کراہت کی نفی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات اللہ تعالی کسی شے کو حلال تو کر دیتا ہے لیکن اس میں پائی جانے والی ان خدشات و نقصانات کے باعث جو مقاصد شریعت کے منافی ہوتی ہیں اسے پسند نہیں فرماتا۔ شریعت کا نکاح سے مقصود یہ ہے کہ یہ ہمیشہ قائم رہے، اس کی بدولت خاندانوں کو استقرار ملے اور اولاد پیدا ہو، جب کہ طلاق کی وجہ سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ جہاں تک طلاق کا تعلق ہے تو یہ تقریباً سبھی معاشروں میں پائی جاتی رہی ہے۔ بعض معاشروں میں طلاق کی اجازت نہیں اور ازدواجی تعلقات کو ناقابل انقطاع تصور کیا جاتا ہے، مسیحی اور ہندو معاشرے اس کی مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔ مغرب کے سیکولر معاشرے نے مسیحیت کے اس تصور کو رد کر دیا ہے اور عورت کو طلاق کی اجازت دی اور اب مغربی معاشرے میں طلاقوں کی بھرمار ہے۔ طلاق در اصل انقطاع تعلق ہے جس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ ناپسندی طبع، ارتکاب جُرم اور کسی مہلک مرض میں مبتلا ہونا وغیرہ۔ تمام مذاہب نے اسے تسلیم کیا ہے اور اس کی وجہ سے معاشرہ انتشار سے بچتا رہا ہے۔ طلاق ایک ناپسندیدہ امر ہے، جسے فقط مجبوری کی صورت میں اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن دور حاضر میں نا صرف طلاق بلکہ خلع میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اب معاشرہ طلاق کی بڑھتی ہوئی شرح سے سخت پریشان ہے۔ ایک تو عورت غیر محفوظ ہو گئی ہے، دوسرا خاندانی نظام تباہ ہو گیا۔ نکاح و طلاق کے قوانین ابتدائی معاشروں سے لے کر اب تک بدلتے رہے مگر اس کے باوجود انسانی معاشرت کا لازمی جُزو رہے ہیں۔ جس طرح تعلق پیدا کرنا انسانی فطرت ہے اسی طرح کبھی کبھی تعلقات توڑنے پر مجبور ہونا بھی اس کی ضرورت ہے۔ لہٰذا یہ اتصال و انقطاع انسانی زندگی کا اہم حصّہ ہیں۔

اسلامی و دیگر تہوار

اسلام کا آغاز عرب معاشرے سے ہوا۔ عرب معاشرے کی بہت سی اقدار اور رسومات ایسی تھیں جسے اسلام نے یکسر مسترد کر دیا، چند ایک سماجی اقدار ایسی تھیں جنہیں انسانی معاشرے کے لئے بے ضرر یا فائدہ مند رکھتے ہوئے انہیں برقرار رکھا۔ یہاں واضح کر دیا جائے کہ تہواروں کا معاملہ ان برقرار رکھی جانے والی فہرست میں شامل نہیں تھا۔ تہواروں کو منانے کا معاملہ کسی بھی مذہب یا تہذیب کے لئے بنیادی فکری معاملہ ہے، یہ کسی بھی قوم کے فکری تشخص کو اُبھارتا ہے، اس لئے اسلام نے واضح طور پر اعلان کر دیا کہ مسلمانوں کے تہوار عیدین ہیں۔ حدیثِ پاک میں ارشاد ہوتا ہے کہ "ہر قوم کی اپنی عیدیں ہیں، اور ہماری عید، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ہیں۔" یہی دو عیدیں مسلمانوں کے تہذیبی تہوار بھی ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں بہت سے تہوار اور میلے پائے جاتے تھے، ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسے اسلامی ثقافت نے 'بے ضرر' سمجھ کر گود لے لیا ہو۔ اسلام سے قبل اہل عرب عکاظ کے میلے میں بہت جوش و خروش سے شریک ہوتے تھے۔ اہل مکہ کے لئے تو یہ تجارت کا بھی

ایک عظیم الشان موقع عطا کرتا تھا۔ یہی وہ میلہ تھا جس پر شاعروں کے کلام کے مقابلے ہوتے تھے اور سات منتخب شعرا کا کلام اس میلے میں آویزاں کیا جاتا تھا، مگر فتح مکہ کے بعد عکاظ میلے نے حج کے موسم میں تجارت کی شکل اختیار کر لی چنانچہ اس میں بے مقصد لہو ولعب اور بے حیائی کی رسومات خود بخود ختم ہو گئیں۔ اس طرح کے میلوں کو ترک کرنے کی دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ یہ خدا کی یاد سے غافل کرتے ہیں۔[24] جب مسلمان دیگر اقوام کے تہواروں کو اپنے 'قومی تہوار' سمجھ کر منانا شروع کر دیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کی جدید نسل کی اسلامی تہواروں (عیدین) سے جذباتی وابستگی ماند پڑ جاتی ہے اور ان کا تہوار منانے کا فلسفہ ہی بدل جاتا ہے۔ جنوری 2004ء کے دوسرے ہفتے میں انگریزی روزنامہ 'ڈان' میں ایک خاتون مصنفہ کا 'بسنت' کے موضوع پر مفصل مضمون شائع ہوا جس میں موصوفہ نے 'بسنت' کی رونقوں کو بے حد مبالغہ انگیز انداز میں بیان کرتے ہوئے اسے لاہوریوں کا سب سے عظیم تہوار قرار دیا۔ انہوں نے اپنے مضمون میں قارئین کی اطلاع کے لئے یہ بھی تحریر فرمایا کہ ان کے دو بیٹے اس وقت امریکہ میں زیر تعلیم ہیں، وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے مواقع پر پاکستان آئیں یا نہ آئیں، مگر یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ بسنت کے تہوار کو منانے کے لئے نہ آئیں۔ بسنت منانے کے لئے وہ ایک مہینہ پہلے ہی پاکستان آ جاتے ہیں۔[25] موصوفہ کا جس طبقہ سے تعلق ہے، اس میں اسلامی تہواروں سے عدم رغبتی کا رجحان بڑھ رہا ہے اور غیر مسلموں کی تقریبات میں دلچسپی روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ ویلنٹائن ڈے کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ اسلام میں موسموں کو مذہبی اعتبار سے نہ اس طرح تقسیم کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کی بنیاد پر تہوار مقرر کئے گئے ہیں۔ بلاشبہ اسلام میں بعض ایام کو زیادہ مقدس قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً عیدین، شبِ قدر وغیرہ۔ مگر اسلامی عیدیں قمری سال کی وجہ سے ہر موسم میں آتی ہیں۔

عید کے تہوار

عید خوشی بھرا تہوار ہے۔ اس خوشی کو بانٹ کر دوبالا کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے تو عید کے موقع پر عیدی دی جاتی ہے تاکہ عیدی لینے والے کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھیرے اور دیکھے جا سکیں۔ عیدی ہماری تہذیب اور روایات کا ایک حصہ ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روایات میں تبدیلی آئی ہے لیکن عیدی کی روایت کبھی ماند نہیں پڑی۔ پاکستان کی بات کی جائے تو نقد عیدی پر تمام صوبوں کے عوام بالخصوص بچوں کا مکمل اتفاق ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ مہنگائی کی شرح کے حساب سے اس میں اضافہ ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے میں پانچ دس روپے سے کام چل جاتا تھا آج کل کم سے کم ریٹ سو روپے ہے۔ اس سے کم ملنے والی رقم کو کم از کم عیدی نہیں گردانا جاتا۔ پاکستانی روایت میں اگر کسی لڑکی کی منگنی ہو جائے اور شادی ہونے تک جتنی بھی عیدیں آئیں اس کے ہونے والے سسرال سے ہر عید پر اس کے لیے عیدی آتی ہے۔ اس میں زرق برق لباس، چوڑیاں، مہندی اور ساتھ میں حسب استطاعت یا پھر تعلقات کی نوعیت کی بنیاد پر نقدی بھی ہوتی ہے۔ اس پر پورے پاکستان کی منگنی شدہ لڑکیوں کا مکمل اتفاق ہے اور وہ اسے ہونے والے سسرال پر پہلا حق سمجھتی ہیں۔ لڑکیاں عید پر وہی سب کچھ زیب تن کرتی ہیں۔ اس رسمی عیدی کو لوٹانے کا رواج بھی پایا جاتا ہے۔ لڑکی والے بھی اپنے داماد کو اسی انداز سے عیدی لوٹاتے ہیں بلکہ عید والے دن بھی لڑکی کے گھر سے آنے والے اپنے داماد کو عیدی دیتے ہیں۔ عیدی کی ایک اہم قسم شادی شدہ بیٹی کے لیے عیدی بھی ہوتی ہے۔ بیٹیاں چونکہ اپنے میکے کو لے کر بہت جذباتی ہوتی ہیں تو شادی کے بعد پہلی عیدی کا تو ان کو شدت سے انتظار ہوتا ہے۔ پنجاب میں عموماً پہلی عید میکے میں کرنے کا رواج ہے پھر بھی عید سے پہلے مائیں اپنی بیٹیوں کو عیدی بھجواتی ہیں۔ جس میں کپڑے، جوتے، چوڑیاں، مہندی اور نقدی شامل ہوتی ہے۔ سندھ میں عید سسرال میں ہی کرنے کا رواج زیادہ ہے تو میکے سے عیدی کا آنا سب سے بڑی خوشی سمجھا جاتا ہے۔ رمضان کے آخری عشرے میں بیٹی کے گھر عیدی کے نام پر بعض اوقات پورے خاندان کے کپڑے تک بھیجتے ہیں۔ تاہم زیادہ تر صرف بیٹی اور داماد کو دیتے ہیں۔ اس میں کپڑے جوتے،

مہندی اور چوڑیوں کے علاوہ سویاں، چینی، میوہ جات اور دودھ بھی شامل ہوتا ہے۔[26] مروجہ منگنی کا شرعا کوئی ثبوت نہیں ہے؛ تاہم اگر بلا کسی اہتمام وانتظام کے شادی کی تاریخ وغیرہ طے کرنے کے لیے کچھ اہل خانہ یا رشتہ دار جمع ہو جائیں، تو شرعاً اس میں مضائقہ بھی نہیں۔ خوشی کے طور پر سسرال والوں کا عید کے موقع پر بہو یا داماد کو تحائف دینا ناجائز نہیں ہے؛ لیکن اس کو ضروری نہ سمجھا جائے اور رسم بھی نہ بنایا جائے۔ فکم من مباح یصیر بالالتزام من غیر لزوم والتخصیص من غیر مخصص مکروہاً[27]۔ شادی سے پہلے رشتہ دار خواتین اور دیگر لڑکیاں دلہن کو اور آپس میں جو مہندی لگاتی ہیں، آج کل اُس نے ایک رسم کی شکل اختیار کر لی، اس موقع پر اور بھی خلافِ شرع چیزوں کا ارتکاب ہوتا ہے، اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

پاکستانی رسم ورواج اور ثقافت

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کی شادی بیاہ کی رسومات اور دیگر تقریبات میں ہندو کلچر کا کچھ نہ کچھ رنگ اب بھی باقی ہے۔ ان فرسودہ رسومات کو ترک کرنے کی بجائے بعض لوگ ان سے یوں استدلال بھی کرتے ہیں کہ جب دیگر باتوں میں ہندوانہ کلچر کے جراثیم باقی ہیں تو محض بسنت کو قومی تہوار کے طور پر منانے پر اعتراض وارد کیوں کیا جاتا ہے۔ ہمارے خیال میں اس طرح کا استدلال محض کج بحثی ہے۔ انفرادی سطح پر مختلف گھرانوں کی طرف سے بعض شادی بیاہ کی رسومات کی پاسداری اور قومی سطح پر اجتماعی انداز میں ایک تہوار منانے میں اصولی طور پر فرق ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ شادی بیاہ کی تقریبات میں نکاح اور اسلامی کلچر کے دیگر عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور بہت سے مسلمان گھرانے ایسے ہیں جو ان رسومات کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے، نہ ہی کوئی ان انفرادی رسومات کو تہوار کا مقام دیتا ہے۔ تہوار درحقیقت ان رسومات کا مجموعہ ہوتا ہے جسے پورا معاشرہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے مذہب سمجھ کر ادا کرتا ہے۔ بسنت کو پاکستانی قوم کا 'قومی تہوار' کہنے والوں کو تہوار کے بنیادی فلسفہ کی حقیقت کا شاید علم نہیں ہے۔ لاہور جو 'بسنت' کا اصل گڑھ ہے، اس میں بھی لاکھوں افراد ایسے ہیں جو نہ صرف بسنت سے الگ تھلگ رہتے ہیں بلکہ اسے غیر اسلامی اور ہندوانہ تہوار سمجھتے ہیں۔ پنجاب کے دیگر شہروں میں 'بسنت' کو ابھی تک مقبولیت کا وہ درجہ نہیں مل سکا ہے۔ پھر ہم یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ جب ہندو کہتے ہیں کہ 'بسنت' ہمارا مذہبی تہوار ہے جسے پاکستان کے مسلمان جوش وخروش سے مناتے ہیں تو پھر ہم اسے ہندوانہ تہوار سمجھنے میں تامل کیوں کر رہے ہیں۔ بھارت کی انتہا پسند جماعت شیو سینا کے راہنما بال ٹھاکرے نے بارہا بسنت کے موقع پر لاہوریوں کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جب ہم کسی رسم کو اجتماعی تہوار کے طور پر منائیں گے تو یہ بات اسلام کے عمرانی فلسفے کی اجتماعیت سے متصادم ہو گی۔ ہمارے دانشوروں کی فکری تہی دامنی اور تخلیقی قوت کی کمی بھی کم عبرت آموز نہیں ہے۔ وہ اس قابل تو نہیں ہیں کہ اسلامی اقدار کی روشنی میں اسلامی کلچر کے تقاضوں کے مطابق کسی اجتماعی تقریب کا تصور پیش کریں، البتہ وہ بسنت جیسے ہندوانہ تہوار کو اپنا 'قومی تہوار' بنانے کے لئے اپنی تحریری و تقریری صلاحیتوں کا خوب استعمال کرتے ہیں۔ ہر قوم کے تہوار ایک مخصوص پس منظر رکھتے ہیں جو اس قوم کے اجتماعی تہذیبی شعور میں رچا بسا ہوا ہوتا ہے۔ بے مقصد تفریح کسی تہوار کی بنیاد نہیں ہوتی۔ مولانا عنایت اللہ وارثی قومی تقریبات کی بنیاد پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہر قوم اپنی ملکی و قومی روایت کے مطابق کسی خاص اہم واقعہ کو بنیاد قرار دے کر اجتماع کی ایک صورت پیدا کر لیتی ہے۔ جس وقت تک کسی قوم میں اجتماعی روح قائم رہتی ہے اور اجتماعیت کے فائدوں کا احساس قوم کے افراد میں موجود ہوتا ہے اس وقت تک تو اس قسم کے اجتماعات میں بھی افادیت کا پہلو غالب رہتا ہے۔ افراد و قوم اکٹھے ہو کر اپنی قومی زندگی کے اس اہم

واقعہ کی یاد تازہ کر کے جس کی یاد کی بنیاد پر کسی اہم عملی مفید کارنامے کی وجہ سے ہر دن تقریب کی صورت میں منایا جارہا ہے، اپنے دلوں میں ایک نیا جوش پیدا کر لیتے ہیں"۔[28]

سید ابوالاعلیٰ مودودی کسی قوم کے تہوار منانے کے انداز اور اس کے اخلاقی نصب العین کے مابین تعلق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں: "تہوار منانے کے طریقے دنیا کی مختلف قوموں میں بے شمار ہیں۔ کچھ میں صرف کھیل کود اور راگ رنگ اور لطف و تفریح تک ہی تہوار محدود رہتا ہے۔ کہیں تفریحات تہذیب کی حد سے گزر کر فسق و فجور اور ناشائستگی کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ کہیں مہذب تفریحات کے ساتھ کچھ سنجیدہ مراسم بھی ادا کئے جاتے ہیں اور کہیں ان اجتماعی تقریبات سے فائدہ اٹھا کر لوگوں میں اعلیٰ درجے کی اخلاقی روح پھونکنے اور کسی بلند نصب العین کے ساتھ محبت اور گرویدگی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ غرض ہر ایک قوم کا تہوار منانے کا طریقہ گویا ایک پیمانہ ہے جس سے آپ اس کے مزاج اور اس کے حوصلوں اور امنگوں کو اعلانیہ ناپ کر دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح اخلاقی اعتبار سے کوئی قوم جتنی پست ہوگی وہ اپنے تہواروں میں اتنے ہی مکروہ مناظر پیش کرے گی۔ جتنی بلند اخلاقی روح کسی قوم میں ہوگی اتنے ہی اس کے تہوار اخلاقی اعتبار سے مہذب اور پاکیزہ ہوں گے"۔[29]

مسلم عائلی زندگی کے سماجی مسائل اور ان کا حل

مشترکہ خاندانی نظام کی تاریخ کوئی بہت پرانی نہیں ہے۔ اسلامی طرز معاشرت میں اس کی نشانیاں ہمیں کہیں بھی قرآن و سنت سے نظر نہیں آتی ہیں۔ اگر اسلام سے مشترکہ خاندانی نظام ثابت نہیں ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کہاں سے آیا؟ اور یہ ہمارے گھروں میں کیسے رائج ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سراسر ہندووانہ نظام ہے کہ مسلمان ایک عرصہ تک ان کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کے ساتھ مرہون منت رہے۔ اس نظام کے رائج ہونے کا بنیادی سبب ہندو طرز معاشرت میں یہ تھا کہ اس کے ذریعے وہ کئی گھروں کے افراد ایک ساتھ خرچے کو تقسیم کر لیتے تھے اس سے ان کو اخراجات میں بچت ہوتی تھی۔ دوسری بات یہ ہے کہ چونکہ ہندو معاشرے میں محرم اور نامحرم کا کوئی نظریہ نہیں ہے۔ لہذا ان کے معاشرے کے مطابق نا محرم کے ساتھ رہنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس کی طرز معاشرت جدا ہے۔ اس میں نامحرم سے سختی سے پردے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھا جاتا ہے کہ مشترکہ خاندان میں گھر کا ذمہ دار اپنی اولاد کی فکر تو کر لیتا ہے جبکہ دوسروں کے بچوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ ظاہر سی بات ہے اپنی اولاد اپنی ہی ہوتی ہے اور پرائی پرائی، یہ پرایا پن تعلیم و تربیت کے ساتھ کھانے پینے سے لیکر اٹھنے بیٹھنے، کھیلنے کھودنے، نہانے دھونے، سونے جاگنے تک ہے۔ اپنے بچوں کی تربیت سات سال پہ نماز کا حکم، دس سال پہ نماز کی عدم پابندی پہ مارنا، اس کا بستر الگ کرنا) وغیرہ والد ہی کر سکتا ہے۔ مشترکہ فیملی سے گھر کے سرپرست کے بچے کو ترقی تو مل جاتی ہے مگر دیگر بچوں کو نہیں مل پاتی۔ اس اشتراکی نظام کے جو نقصانات ہیں وہ اپنی جگہ مسلم ہیں۔ نقصانات پر اگر بحث کی جائے تو نقصانات کا پہلو غالب رہے گا۔ اگر فوائد کو دیکھا جائے تو فوائد بھی نقصانات پر غالب ہو جاتے ہیں۔ اسلامی تعلیم سے جو انفرادی خاندان کا تصور ملتا ہے۔ شادی کرنا، بیوی کا اپنے پیسے سے مہر دینا، اپنی کمائی سے روٹی، کپڑا اور مکان کا انتظام، بچوں کی معاشی کفالت، دینی تعلیم و تربیت وغیرہ یہ سب انفرادی نظام خاندان کے عناصر ہیں۔ ان سے پہلو تہی اختیار کرنے میں خاندان کا نقصان ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کے سبب ایک عورت پر گھر کی ذمہ داریاں وقت کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ بڑھنے کے بجائے ایک دم بڑھ جاتی ہیں۔ جن کے سبب اس کی صحت پر برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور وہ وقت سے قبل بے زار ہو جاتی ہے۔ جس سے اس کے اور اس کے شوہر کے تعلقات پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان تمام عوامل کے سبب اسلام نے مشترکہ خاندانی نظام کی کبھی بھی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ عرب معاشرے کو جس کو اسلامی طرز معاشرت کی مثال کے طور پر لیا جاتا ہے وہاں بھی شادی سے قبل علیحدہ گھر کی شرط لازم ہے۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک خاندان اگرچہ ایک مرد اور عورت کے درمیان نکاح کے عقد اور بندھن اور پھر ان کے بچوں ہی سے وجود میں آتا ہے۔ لیکن اس میں شوہر کے والدین اور خونی رشتے کے غیر شادی شدہ عزیز بھی شامل ہو کر ایک وسیع خاندان تشکیل دیتے ہیں۔ پھر اسلامی شریعت کے خصائص میں سے ہے کہ اسلام نسب و نسل کی حفاظت کو شریعت اسلامیہ کے عمومی مقاصد میں سے شمار کرتا ہے۔ یعنی اسلام نے نسل انسانی کی بقا کے لیے شادی کا حکم دیا ہے اور اس کی حفاظت کے لیے اور نسب کے اختلاط سے محفوظ رکھنے کے لیے زنا کو حرام قرار دیا۔[30] معاشرے میں اس وقت رشتہ دیکھنے پر ہی اٹھنے والے اخراجات اور بے ہودہ شرائط بھی ذہنی کوفت کا باعث بن رہے ہیں۔ اس میں رشتہ طے کروانے والے جھوٹ کی بنا پر رشتہ طے کروا کر فیس وصول کرتے ہیں، جو بعد میں دونوں خاندانوں کے لیے لڑائی جھگڑے کا سبب بنتے ہیں اور رشتہ طے کرنے کے بعد شرائط طے کی جاتی ہیں۔ جہیز کی شرائط، شادی کے کھانے کی شرائط، حق مہر میں جائیداد، زیورات اور نقدی کی شرائط مسلم معاشرے میں عام رواج پا چکا ہے۔ جس کی وجہ سے والدین نفسیاتی اور ذہنی تکلیف میں رہتے ہیں اور عموماً رشتہ طے نہیں ہو پاتا۔ اگر رشتہ طے ہو بھی جائے تو والدین اور بیٹی کے لیے جو رسم ورواج اور شرائط سب سے زیادہ ذہنی نفسیاتی امراض کا باعث بنتے ہیں وہ شادی کے بعد بیٹی کا امید سے ہونا، پہلی عید آنا، بچے کی پیدائش ہونا، عقیقہ ہونا، بچے کی سالگرہ وغیرہ ان سب رسوم میں بھی والدین پر ابھی بھی بوجھ ہلکا نہیں ہوا کیونکہ سسرال والوں کی طرف سے بار بار ان تمام رسوم کا تذکرہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کے گھر بسانے کے لیے یہ اخراجات برداشت کریں۔ اگر بیٹی کے والدین صاحب حیثیت ہوتے ہیں تو وہ بخوشی ان رسوم کے اخراجات برداشت کر لیتے ہیں، اس وجہ سے بیٹی کی عزت سسرال میں بنی رہتی ہے۔ لیکن بعض والدین یہ اخراجات برداشت کرنے کی سکت نہیں رکھتے جس کی وجہ سے بیٹیوں کی عزت سسرال میں نہیں ہوتی بلکہ ہر وقت ہتک آمیز رویہ ملتا ہے۔ اسی طرح بہوؤں کے درمیان احساس کمتری پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ حسد، کینہ اور بغض پیدا ہوتا ہے۔ پاکستان میں ساس یا سسر کی وفات کی صورت میں بھی بیٹیوں کے والدین پر قل خوانی، رسم چہلم اور برسی کے مواقع پر کھانے، کپڑے اور نقدی دینے کی رسم موجود ہے۔ اسلامی تہواروں کے ساتھ ساتھ تہذیبی، ثقافتی اور قومی تہوار معاشرے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس کے مثبت و منفی اثرات انفرادی واجتماعی شکل میں انسان کی شخصیت پر پڑتے ہیں۔ مقالہ ہذا میں عائلی زندگی، تہوار اور اس کے اثرات بارے نتیجہ خیز غور وفکر کر کے سماج کو مثبت پہلوؤں سے روشناس کرانے اور فلاح وبہبود کی راہ کی طرف رہنمائی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان تہواروں میں والدین اپنی ذمہ داری ادا کرنے کے لیے معاشی بوجھ دبے جاتے ہیں۔ تو دوسری طرف یہ مقابلہ اور مسابقت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ جس سے خاندانوں میں مقابلہ بازی سے رنجش اور حسد کے اثرات سامنے آتے ہیں۔ مقالہ نگار کی رائے کے مطابق اگر آپ شادی شدہ ہیں تو اس سال اپنے سسرال والوں کو اپنی بیوی کی عید لانے سے منع کریں بلکہ اس بار آپ اپنے ساس سسر کیلیے عید لے کر جائیں تا کہ بیٹیوں کے والدین سے یہ معاشرتی بوجھ ختم ہو سکے اور آپ کو بھی علم ہو کہ بیٹی کے والدین عید دینے کے لیے کتنا خرچہ کرتے ہیں۔ بہت سارے والدین اپنی بیاہی ہوئی بیٹیوں کے گھر صرف اس لئے عید پہنچاتے ہیں کہ سسرال میں انکی بیٹی کی عزت برقرار رہ سکے۔ جب بیٹی بیاہ کر لے آتے ہیں، ان کے گھر سے جہیز کی مد میں پورے گھر کا سامان لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ولیمے پر پہننے کیلئے سوٹ یا رقم وصول کر لیتے ہیں۔ پھر بیٹی کے والدین سے سسرالی خاندان کے کپڑے لیے جاتے ہیں۔ ولیمے کی صبح ناشتہ سسرال والوں کی طرف سے آتا ہے۔ اور اس طرح ہر سال عیدوں اور دیگر تہواروں پر کپڑے اور نقدی بھی لی جاتی ہے۔ لہٰذا تہذیب یافتہ داماد ہونے کا ثبوت دیجئے اور اپنے سسرال والوں کو تمام اخراجات سے بری الذمہ کر دیجئے کہ آپ کی بیٹی میری ذمہ داری ہے۔ میں اس کے اخراجات اپنی حیثیت کے مطابق کروں گا۔ اس طرح سے آپ اپنی بیوی اور اس کے والدین کو شادی کے بعد کی رسوم و تہوار پر فضول اخراجات اور ذہنی و

نفسیاتی اثرات سے نکال کر آنے والی نسلوں کے لیے مثالی داماد بن سکتے ہیں۔ اسی منہج پر ہمیں اپنی اولاد کی بھی تربیت کرنا چاہیے۔

خلاصۂ بحث

معاشرے میں رہن سہن کے لیے انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اسی لیے انسانوں کے ساتھ رہنے کا نظام بنایا گیا ہے جو صدیوں سے رائج ہے۔ اس نظام کے تحت انسان کسی معاشرے میں رہنے کے لیے معاشرے میں تعلقات استوار کرتا ہے۔ اسلام ہماری زندگی کو صرف نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد اور دعوت و تبلیغ تک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ یہ ہمیں اُس راستے پر گامزن ہونے کی ہدایت دیتا ہے جس پر انسانیت کے سب سے عظیم محسن نبی کریم ﷺ تھے، جن کی مبارک زندگی ساری انسانیت کے لیے اسوہ حسنہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کا روشن اور مثالی پہلو یہی ہے کہ آپ ﷺ نے صرف عبادات کی تلقین نہیں کی بلکہ شخصی، خانگی، خاندانی اور انسانی حقوق کے متعلق سب سے بڑھ کر پیغام دیا اور صحابہ کرامؓ کو اس کی تلقین فرمائی۔ اسلام نے نیکی کا جو جامع تصور دیا ہے، اس میں بھی خدمت خلق، حقوق انسانیت، اقرباء پروری، رہن سہن اور معاشرت، ایک لازمی حصہ ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام کے بارے بات کی جائے تو یہ اسلام سے ثابت نہیں ہے، سوال یہ ہے کہ یہ نظام کہاں سے آیا اور کیسے رائج ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سراسر ہندووانہ نظام ہے کہ مسلمان ایک عرصہ تک ان کی تہذیب وتمدن اور ثقافت کے ساتھ مرہون منت رہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ برصغیر میں مسلمانوں کی شادی بیاہ کی رسومات اور دیگر تقریبات میں ہندو ثقافت روز بروز مزید سوشل میڈیا کی وجہ سے پروان چڑھ رہی ہے۔۔ ان فرسودہ رسومات کو ترک کرنے کی بجائے بعض لوگ ان سے یوں استدلال بھی کرتے ہیں کہ جب دیگر رسوم میں ہندو ثقافت کی جھلک نظر آتی ہے تو محض بسنت کو قومی تہوار کے طور پر منانے پر اعتراض وارد کیوں کیا جاتا ہے۔ انفرادی سطح پر مختلف گھرانوں کی طرف سے بعض شادی بیاہ کی رسومات کی پاسداری اور قومی سطح پر اجتماعی انداز میں ایک تہوار منانے میں اصولی طور پر فرق ہے۔ یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ شادی بیاہ کی تقریبات میں نکاح اور اسلامی ثقافت کے دیگر عناصر بھی شامل ہوتے ہیں۔ اور بہت سے مسلمان گھرانے ایسے ہیں جو ان رسومات کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے، نہ ہی کوئی ان انفرادی رسومات کو تہوار کا مقام دیتا ہے۔

حوالاجات

[1] النساء، ۴:۱

[2] الحجرات، ۴۹:۱۳

[3] السجستانی، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، سنن ابوداؤد، مطبوعہ دارالسلام بیروت لبنان، ۱۴۱۵ھ، رقم الحدیث: ۲۹۲۸

[4] صابونی، عبدالرحمٰن، نظام الاسرۃ وحل مشکلاتہا، دارالفکر المعاصر بیروت لبنان، ص ۲۸۰

[5] الممتحنہ، ۶۰:۱۰

[6] النساء، ۴:۱۱

[7] النساء، ۴:۱۹

[8] ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقہ مایضر بجارہ، مطبوعہ دارالسلام بیروت لبنان، ۱۴۱۵ھ، رقم الحدیث: ۲۳۴۱

[9] صابونی، عبدالرحمٰن، نظام الاسرۃ وحل مشکلاتہا، ص ۲۷۶

[10] الاحزاب، ۳۳:۳۳
[11] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لایخلون رجل بامرأۃ الا ذو محرم، رقم الحدیث: ۵۲۳۲
[12] بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، باب قول الرجل لأخیہ انظر أي زوجتی، رقم الحدیث: ۵۰۷۲
[13] الروم، ۳۰:۲۱
[14] ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید (م ۲۷۳ھ)، سنن ابن ماجہ، باب ماجاء فی فضل النکاح، رقم الحدیث: ۱۴۳
[15] النساء، ۴:۴
[16] زرقانی، محمد بن عبدالباقی، شرح المواہب اللدنیہ، طبع مصر، ۱۳۰۵ھ، ص ۲۔۴
[17] الطلاق، ۶۵:۷
[18] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۲ اگست ۲۰۰۰ء، صفحہ آخر
[19] سیوطی، جلال الدین، امام، الاشباۃ والنظائر، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، ص ۶۰
[20] محمد ابوزہرہ، الاحوال الشخصیۃ، طبع دارالفکر العربی، بیروت، ۱۹۷۷ء، ص ۲۳۸
[21] النساء، ۴:۳۴
[22] السید السابق، فقہ السنہ، (باب الجہاز)، شرکۃ دارالقلبلۃ للثقافۃ الاسلامیۃ، جدہ، س۔ن، ج ۲، ص ۳۰۲
[23] السجستانی، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۱ھ)، سنن ابوداؤد، کتاب تفریع ابواب الطلاق، باب فی کراھیۃ الطلاق رقم الحدیث: ۲۱۷۸
[24] قاسم محمود، سید، مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا، شاہکار فاؤنڈیشن لاہور، ص ۱۰۸۲
[25] انگریزی روزنامہ ڈان، جنوری ۲۰۰۴ء، صفحہ آخر
[26] روزنامہ اردو نیوز اسلام آباد، ۲۴ مئی ۲۰۲۰ء، صفحہ آخر
[27] الکنوی، محمد عبدالحئی، (م ۱۳۰۴ھ)، مجموعۃ الرسائل الامام الکنوی، دار صالح بیروت لبنان، ج ۳، ص ۳۴
[28] وارثی، عنایت اللہ، مولانا، اسلامی تقریبات، پروگریسو بک اردو بازار لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۶۵
[29] مودودی، ابوالاعلیٰ، مولانا، نشری تقریریں، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ص ۸۵
[30] احمد حسن، مولانا، جامع الاصول، مطبع مجتبائی لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۷۶